اباحی معاشرے کے لیے عالمی کوششیں

عنایت اللہ اسماعیل

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسف (UNICEF) کی ڈپٹی ڈائریکٹر مارجری نولبین نے حال ہی میں اپنے ادارے کی ایک رپورٹ جاری کرتے ہوئے خبردار کیا ہے کہ نئی صدی میں "ایڈز" کا مرض سب سے زیادہ اہمیت کے عوامل میں سے نمایاں ترین ہو گا۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا بھر میں ہر سال ساڑھے ۸ لاکھ بچے اور نوجوان ایچ آئی وی وائرس کا شکار ہو جاتے ہیں جب کہ ڈھائی لاکھ عورتیں ایڈز کے مرض میں ہلاک ہو جاتی ہیں۔

گذشتہ دنوں یونیسف اور ایک غیر سرکاری تنظیم میسیج کے زیر اہتمام مدینۃ الاولیا ملتان کے کلمہ چوک میں ایڈز کے خلاف ایک مظاہرہ منعقد کیا گیا۔ اس کی تصویر میں درجنوں معصوم بچے ہاتھ بلند کیے غالبا ایڈز کے خلاف نعرے لگاتے اور ایک بڑا بینر تھامے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ اس بینر پر درج ہے "کنڈوم کا استعمال' ایڈز سے بچاؤ"۔ روزنامہ نوائے وقت نے یہ تصویر "ثناخوان تقدیس مشرق کہاں ہیں" کے عنوان سے شائع کی (۲ دسمبر ۱۹۹۹ء)۔

یہ تصویر دیکھ کر ایک عام قاری کے ذہن میں پہلا سوال یہ ابھرتا ہے کہ ان معصوم اور نابالغ بچوں کا "کنڈوم" جیسی "بالغ" شے سے آخر کیا تعلق بنتا ہے؟ اور یہ مذکورہ تنظیم میسیج ان بچوں کو استعمال کرتے ہوئے آخر کیا "میسیج" عوام کو دینا چاہتی ہے؟

بچوں کو استعمال کرتے ہوئے اس طرح کا مظاہرہ کسی غلطی کا نتیجہ قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ ایک سوچی سمجھی منصوبہ بندی کے تحت ہے۔ یہ منصوبہ بندی کیا ہے؟ اور کہاں انجام پائی ہے؟ اس کو جاننے کے لیے ذرا چند برس پیچھے جانا' اور مسئلے کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے امریکی اور مغربی معاشروں کی موجودہ صورت حال کا تفصیلی جائزہ لینا ہو گا۔ چین کے دارالحکومت بیجنگ میں ۱۲ ستمبر ۱۹۹۵ء کو اقوام متحدہ کے زیر اہتمام خواتین کی ایک عالمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کا بنیادی مقصد "عورت کے بنیادی حقوق کا تحفظ" تھا۔ مذکورہ کانفرنس میں بڑے اہم اور دور رس نتائج کے حامل فیصلے کیے گئے جن کی حمایت اور مخالفت کی

صدائے بازگشت اس زمانے میں تمام عالمی نشریاتی اداروں اور پرنٹ میڈیا میں بڑے زور شور سے سنی گئی تھی۔ اقوام متحدہ کے زیراہتمام منعقدہ اس کانفرنس کا اصل مقصد دراصل مغرب کے سیکولر نظریات کو بڑے وسیع پیمانے پر فروغ دینا اور خصوصاً اسلامی ممالک کے مسلم عوام تک ان کو پہنچانا اور قابل قبول بنانا تھا۔ یہ سیکولر عمرانی نظریات دراصل فرد اور معاشرے کو ہر طرح کی دینی اور اخلاقی اقدار کی گرفت سے آزاد کر کے بے لگام آزادی کی راہ پر گامزن کرنے کا دوسرا نام ہیں۔

بیجنگ کانفرنس کے اساسی ایجنڈے میں ضبط تولید کی آزادی، خواتین کو اسقاط حمل کی اجازت، ہم جنس پرستی کو قانونی حیثیت دینے اور خواتین کو مسلمہ مذہبی و معاشرتی روایات کے علی الرغم بے محابا آزادی دینے کے معاملات شامل تھے۔ ان نکات کے خلاف اس زمانے میں پوری دنیا میں ویٹی کن سمیت مختلف اسلامی تنظیموں کی جانب سے شدید مخالفانہ ردعمل سامنے آیا تھا۔ ویٹی کن کے ترجمان فادر جوکوئن ناوررو والف نے مذکورہ کانفرنس کے ذریعے انسانی حقوق کی عظیم روایات کے ستونوں کو ڈھائے جانے کا الزام عائد کرتے ہوئے ضبط تولید اور اسقاط حمل کے معاملات پر ویٹی کن کی جانب سے برہمی اور ناراضی کا اعلان کیا تھا۔ مسلم دنیا کی سب سے بڑی غیر سرکاری تنظیم "مسلم ورلڈ لیگ" کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر احمد محمد علی نے سعودی عرب میں ایک اخبار کو دیے گئے انٹرویو میں اقوام متحدہ پر یہ الزام لگایا تھا کہ مغربی طاقتیں اس ادارے کے ذریعے اپنے نظریات کو دوسروں پر تھوپنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس کانفرنس میں مذہب اور ثقافت کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ پاکستانی وفد کی سربراہ محترمہ سلمیٰ وحید نے کانفرنس میں جنس سے متعلق سفارشات کے خلاف اپنی ناپسندیدگی اور تحفظات کا دوٹوک انداز میں اظہار کیا تھا۔

یہ بات اب بالکل واضح ہے کہ قاہرہ میں ستمبر ۱۹۹۴ء میں ہونے والی عالمی بہبود آبادی کانفرنس ہو یا بیجنگ کی مذکورہ خواتین عالمی کانفرنس، ان کا واحد مقصد مغرب کی اس بگڑی ہوئی بے لگام تہذیب کو (جس کو اگر کنڈوم کلچر کا نام دیا جائے تو کچھ غلط نہ ہو گا) دنیا کے غریب، پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک خصوصاً اسلامی بلاک کے عوام پر مسلط کرنا ہے۔ اس تہذیب نے خود ان ترقی یافتہ مغربی ممالک کو، خاندانی نظام کی تباہی، فرد اور معاشرے میں انفرادی و اجتماعی بگاڑ، بے چینی اور بنیادی مذہبی اخلاقیات کی تباہی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ۱۹۹۵ء کے شروع میں امریکہ کی خاتون اول مسز ہلری کلنٹن نے پاکستان کے تفصیلی دورے کے موقع پر اسلام آباد میں ایک کالج کی طالبات سے گفتگو کے دوران بذات خود مغربی تہذیب کی ایک بنیادی خرابی کی جانب بڑی جرأت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ "امریکہ کی نوجوان لڑکیوں کا سب سے بڑا مسئلہ قانونی طور پر منعقدہ شادی سے قبل ہی ان کا ماں بن جانا ہے" (روزنامہ جنگ، ۲۵ مارچ ۱۹۹۵ء)۔

مسز کلنٹن نے اس ایک جملے کے ذریعے پورے مغربی اور امریکی معاشرے کی ایک سچی تصویر کھینچ کر رکھ دی تھی۔ انھوں نے اس موقع پر بڑے واضح الفاظ میں مزید کہا تھا کہ "چونکہ پاکستان میں مذہبی روایات کا احترام ابھی تک موجود ہے اس لیے یہاں مسائل بھی کم ہیں اور جو ہیں وہ دراصل خواندگی کی شرح کے انتہائی کم ہونے کے سبب پائے جاتے ہیں"۔ علاوہ ازیں انھوں نے نوجوانوں کو یہ صائب مشورہ بھی دیا تھا کہ خواہ وہ مسلم ہوں یا عیسائی، اپنی مذہبی و سماجی روایات اور اصولوں سے بغاوت نہ کریں بلکہ انھی کے تحت شادی کے بندھن میں بندھ جائیں۔ نیز اپنی اور والدین کی عزت و آبرو اور سکون کو غارت نہ کریں۔

مسز کلنٹن نے مغربی تہذیب کی جس بنیادی خرابی کی طرف اشارہ کیا تھا وہ بے لگام جنسی آزادی پر مغربی معاشروں میں کسی قانونی، اخلاقی اور مذہبی قدغن کا بالفعل موجود نہ ہونا ہے۔ اسی کے سبب مغربی معاشرے تباہی کی جانب تیزی کے ساتھ بڑھتے جا رہے ہیں۔ طرفہ تماشا ہے کہ انھی خرابیوں کے مجموعے پر مشتمل مغربی معاشرتی اقدار کو پوری دنیا پر نافذ کر دینے کا مطالبہ بھی خواتین ہی کی جانب سے بیجنگ کانفرنس میں سامنے لایا گیا۔ مغربی تہذیب و تمدن میں آج خواتین تمام تر آزادی عمل رکھنے کے باوجود سب سے زیادہ مظالم کا شکار ہیں۔

مذہب سے راہ فرار حاصل کر کے بے خدا سیکولر نظام میں پناہ حاصل کرنے والی مغربی اقوام تمام تر اقتصادی ترقی کے باوجود آج جس ناگفتہ بہ حالت سے گزر رہی ہیں، آیئے، ذرا اس کا جائزہ خود مغربی پریس ہی میں چھپنے والی مختلف رپورٹوں اور خبروں کے ذریعے لیں۔

امریکہ: امریکہ عالمی نقشے پر روس کی پسپائی کے بعد "یونی پولر قوت" کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔ مادی ترقی کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہو جانے کے باوجود معاشرتی سطح پر تباہ حالی کے جس نشان پر امریکہ اس وقت پہنچ چکا ہے وہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مادی ترقی کے ثمرات سے جہاں امریکہ نے اپنے معاشرے اور فرد کو بے انتہا فیض پہنچایا ہے، انھیں زندگی گزارنے کی ہر طرح کی آسایشیں بہم پہنچائی ہیں، وہیں اس ترقی نے مغربی معاشرے کے خاندانی نظام کو، جو دراصل کسی بھی متمدن معاشرے کی سب سے بنیادی اکائی ہوتا ہے، توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے۔

۱۹۹۳ء میں امریکی حکومت کی جانب سے کیے گئے ایک سروے کے مطابق ایک سال میں امریکہ میں کل ۱۴ لاکھ ۱۲ ہزار شادیاں قانونی طور پر منعقد ہوئیں۔ ۳ ماہ بعد ہی ان میں سے ۲ لاکھ ۹۲ ہزار کا انجام طلاق پر ہوا۔ اس طرح تقریباً ۲۱ فی صد شادیاں ناکام ہوئیں۔ ۷۵ فی صد شادی شدہ مرد اور خواتین اپنے شریک حیات کے ساتھ بے وفائی کے مرتکب ہوتے ہیں جو ان شادیوں کی ناکامی کی بنیادی وجہ ہے۔ امریکہ کی کل آبادی میں سے تقریباً دو کروڑ افراد ہم جنس پرستی کی لعنت میں مبتلا ہیں۔ ۱۶ برس سے لے کر ۱۹ برس تک کی

لڑکیاں جنسی حملوں کا نشانہ بنتی ہیں جن میں اکثر اپنے انتہائی قریب ترین رشتے داروں یعنی بھائی، باپ وغیرہ کی ہوس کا شکار ہوتی ہیں۔ تمام تر احتیاطی تدابیر (جن میں کنڈوم کا استعمال سرفہرست ہے) کے باوجود پیدا ہو جانے والے بچوں میں سے ۶۵ فی صد ناجائز ہوتے ہیں جن کی کفالت کی ذمہ داری حکومت کے سر ہوتی ہے۔ مختلف طرح کے جرائم میں ۱۹۷۳ء اور ۱۹۹۲ء کے درمیان ۶۶ فی صد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ ان جرائم میں ملوث افراد میں اکثریت ۲۰ برس کے نوجوانوں کی تھی۔ ۱۹۹۲ء میں ۱۰ شہروں میں ۵ لاکھ افراد کو جیلوں میں مختلف جرائم کی بنا پر بند کیا گیا۔ مختلف الزامات کے تحت ایک لاکھ ۴۰ ہزار افراد پولیس اسٹیشن پکڑ کر لائے گئے (ہفت روزہ اکنومسٹ، اکتوبر ۱۹۹۴ء)۔ امریکی ہفت روزہ انکوائرر کی ایک رپورٹ کے مطابق گزرے ہوئے سال ۱۹۹۹ء میں تقریباً ۹ لاکھ خواتین کی عصمتیں لوٹی گئیں، جب کہ ان وارداتوں کے ۶۰ فی صد ملزمان گرفتار بھی نہ ہو سکے (روزنامہ امت، ۶ جنوری ۲۰۰۰ء)۔

امریکہ میں بسنے والے ۴ کروڑ ۵۰ لاکھ سیاہ فام باشندے سیکولر پالیسی کے باوجود نسلی امتیاز کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ۳۲ء۲ ملین امریکی شہری غربت کی انتہائی نچلی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ منشیات کا بے دریغ استعمال کسی بھی طور پر ختم نہیں ہو رہا ہے۔ عریانیت زندگی کا رہن سہن بن چکی ہے۔ امریکی صدر بل کلنٹن امریکی افواج سے ہم جنس پرستی پر عائد پابندی کو ختم کرا چکے ہیں۔ امریکی معاشرے میں موجود ان تمام معاشرتی خرابیوں کے باوجود امریکی حکام، سیاست کار اور پالیسی ساز اس بات پر مصر ہیں کہ اپنے ہاں کی ان تمام خرابیوں کو اپنے زیردست غریب خصوصاً اسلامی ممالک میں پہنچا دیا جائے۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت قاہرہ میں ۵ تا ۱۳ ستمبر ۱۹۹۴ء کو بہبود آبادی کے نام سے ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس کا بنیادی ایجنڈا اور اس میں کیے گئے فیصلے ہیں جس کے تحت ترقی پذیر ممالک میں آبادی کے بے انتہا پھیلاؤ کو روکنے کے لیے "کنڈوم کلچر" کو پوری شدومد کے ساتھ فروغ دینے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ قاہرہ کی اس کانفرنس میں خواتین کی بین الاقوامی تنظیموں کی جانب سے بڑا پُرزور مطالبہ یہ آیا تھا کہ اسقاط حمل پر عائد پابندی اٹھائی جائے۔ کانفرنس میں شریک مسلم ممالک اور ویٹی کن کی جانب سے مخالفت کے پیش نظر امریکہ کی نمایندگی کرتے ہوئے امریکہ کے نائب صدر مسٹر ایل گور نے اپنی تقریر میں صرف برتھ کنٹرول کے حق کو تسلیم کرنے پر زور دیا تھا (ہفت روزہ نیوزویک، اکتوبر ۱۹۹۴ء)۔

یورپی ممالک: دوسرے مغربی ممالک کا حال بھی امریکہ سے کچھ مختلف نہیں۔ ذرا اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔ ۱۰ فی صد خاندان بغیر باپ کے پائے جاتے ہیں یعنی ناچاقی کے باعث علیحدگی ہو چکی ہے، یا ماں کے سر پر ناجائز بچوں کی کفالت کی ذمہ داری بھی ہے۔ ۱۵ سال کی عمر تک پہنچ کر اکثر بچے اپنے گھروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ۱۳ سال کی عمر ہی سے بچوں میں شراب کی لت پڑ جاتی ہے۔ معاشرے کے

صرف ۱۰ فی صد افراد بوجوہ شراب نہیں پیتے۔ خواتین اور بوڑھے رات کے وقت تنہا کہیں جا نہیں سکتے۔ ۷۰ فی صد ایسے لڑکے لڑکیاں تھیں جن کو ان کے محبوب یا منگیتروں نے موت کے گھاٹ اتارا۔ میاں بیوی کے تعلقات کچے دھاگوں میں بندھے ہوئے ہوتے ہیں جو ذرا ذرا سی بات پر طلاق پر منتج ہوتے ہیں۔

معاشرے کا ہر فرد اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے۔ پارکوں میں جابجا بوڑھے لوگ الگ الگ اکیلے بیٹھے دور خلاؤں میں تکتے نظر آتے ہیں۔ آخر عمر میں بزرگوں کا ٹھکانہ اولڈ ہاؤس ہوتے ہیں جہاں وہ مرتے دم تک صرف اپنے بچوں کی یادوں کو سینے میں بسائے ان سے ملنے کی آرزوئیں ہی کرتے رہتے ہیں۔ سال میں ایک آدھ مرتبہ کرسمس کارڈ یا فادرز ڈے اور مدرز ڈے کا مبارکبادی پیغام مل جائے تو ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ اسکولوں اور دفاتر کے باتھ رومز میں "کنڈومز" موجود رہتے ہیں تاکہ تعلیم حاصل کرتے وقت یا کام کے دوران "جنسی جذبات" بیدار ہو جائیں تو خواتین و حضرات اور طلبہ و طالبات "محفوظ طریقوں" سے اپنی سفلی خواہشات کی تسکین کر لیں۔ حقوق انسانی کے عالمی نمایندے مسٹر اینڈریو جانسن کی ایک حالیہ سروے رپورٹ کے مطابق آسٹریلیا میں ۶ ہزار سے زائد بچے جن کی عمریں ۱۸ برس سے کم ہیں، اپنے علاج، خوراک، رہایش، شراب اور سگریٹ کے حصول کے لیے اپنا جسم فروخت کرتے ہیں جب کہ وہاں کی حکومت ان کو اس حالت زار سے نکالنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی ہے (روزنامہ نوائے وقت، ۴ جنوری ۲۰۰۰ء)۔

آج مغربی تہذیب جس بھیانک صورت حال سے دوچار ہے اس کی بنیادی وجہ اللہ اور اس کے رسولوں کی جانب سے آئی ہوئی ہدایات سے واضح طور پر انحراف برتنا ہے۔ اس تہذیب و تمدن کی بنیاد دراصل انسان کی لامحدود مادی خواہشات کی ہر ممکن طور پر تکمیل اور حیوانی لذت کے حصول پر رکھی گئی ہے۔ مغربی معاشی مفکروں اور نظریہ سازوں نے ان ہی دونوں خواہشات کی تکمیل کے لیے اپنے معاشی و معاشرتی نظریات وضع کیے۔ ادیبوں، شاعروں اور رائے عامہ تشکیل دینے والے ماہرین اور ذرائع ابلاغ کے جادوگروں نے عوام کے ذہن تیار کیے۔ مقننہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روشن ہدایات کے برخلاف قوانین اور اصول و ضوابط تیار اور منظور کیے اور عدلیہ نے ان کا تحفظ کیا۔ مغربی معاشرے میں پایا جانے والا اخلاقی انحطاط دراصل اللہ سے بغاوت کی اسی طویل روش کا شاخسانہ ہے جس پر صدیوں سے مغربی و امریکی اقوام عمل پیرا چلی آ رہی ہیں۔ آج مغربی تہذیب و تمدن نے اپنے عوام کو اعلیٰ تعلیم و تربیت کے مواقع، علاج معالجے کی بہترین سہولتیں، تفریح و مسرت کے وسیع سامان، رہن سہن اور زندگی گزارنے کے لیے اعلیٰ آسایشیں تو بہم پہنچا دی ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ یہ اعلیٰ ترقی یافتہ تہذیب ۱۵ سال کی نوخیز بچیوں کی عزت و آبرو کے تحفظ کا کوئی سامان نہیں کر سکی۔ معصوم نوجوان لڑکوں کو منشیات کا عادی بننے سے

روکنے کی کوئی تدبیر اب تک کامیاب نہیں ہو سکی۔

مغرب نے نہ صرف یسوع مسیحؑ کی سچی تعلیمات سے روگردانی کی بلکہ اسلام کو جو ان کے عیسائی مذہب کی مانند ایک الہامی دین ہے، سمجھنے اور پرکھنے کی اب تک کوئی سنجیدہ کاوش نہیں کی ہے۔ اگر مغرب نے اسلام کا سرسری مطالعہ ہی کیا ہوتا تو اس کے دانش وروں، پالیسی سازوں، صحافیوں اور ادیبوں کو یہ ادراک ضرور ہو گیا ہوتا کہ مغربی اقوام اخلاقی برائیوں کی دلدل میں دھنس کر جس طرح کے نتائج کا سامنا کر رہی ہیں، مسلم امت بہرحال بحیثیت مجموعی ایسے برے حالات سے ابھی دوچار نہیں ہوئی۔

اس حقیقت کے باوجود کہ اسلامی ممالک میں اسلام کے بنیادی اصول و قوانین کا باقاعدہ نفاذ نہ ہونے کے باوجود ان کے عوام میں جو الہامی تصورات، سماجی روایات، اصول و ضوابط صدیوں سے رائج ہیں، ان کی وجہ سے ہمارے معاشرے اپنی تمام تر پسماندگی، معاشی ابتری، جہالت، آبادی کے بے انتہا پھیلاؤ اور دیگر مسائل کے باوجود سکون و اطمینان، خاندانی مسرت و بزرگوں کا احترام، بچوں سے شفقت اور باہمی میل ملاپ جیسے محبت آمیز رویوں سے ابھی تک لطف اندوز ہو رہے ہیں جن کا تصور بھی مغربی معاشرے میں محال ہے۔

عیسائی معاشروں نے حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار ہونے کے باوجود جس طرح اللہ کے اس برگزیدہ انسان کے افکار اور تعلیمات کی خلاف ورزی کی ہے، آج مغربی معاشروں کی اخلاقی بدحالی اسی کا منطقی نتیجہ ہے۔ شراب کا کثرت سے استعمال، زنا کی بلا روک ٹوک اجازت، ہم جنس پرستی کی آزادی، جسم فروشی اور قحبہ گری کو قانونی تحفظ، عریانیت کا بے انتہا پھیلاؤ اور سود پر قائم معاشی نظام--- ان تمام چیزوں کی کیا مسیحؑ کی تعلیمات میں کہیں ذرا سی بھی اجازت ملتی ہے؟ سیکولر نظام نے معاشروں کو اعلیٰ تعلیم و تربیت کے ذریعے ترقی کے آسمان پر تو پہنچا دیا مگر ان کی بنیاد میں سے خدا کو باہر نکال کر دراصل ریت پر عظیم الشان محل تعمیر کر دیا ہے۔ یہ عظیم الشان اور روشن محل اب گرا ہی چاہتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ مغرب کے دانش ور اور رائے عامہ کے رہنما یہ جاننے کی کوشش کریں کہ آخر وہ کون سے امور ہیں جن کو اپنا کر مغربی اقوام بھی وہی سکون و اطمینان حاصل کر سکتی ہیں جو ہمیں اپنے اسلامی معاشروں میں حاصل ہیں۔ امریکہ میں جرائم کی روز بروز بڑھتی ہوئی رفتار پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ "روحانیت کا فقدان امریکہ کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے" (ہفت روزہ اکانومسٹ، اکتوبر ۱۹۹۶ء)۔

روحانیت کے اس فقدان کے سبب مغربی تہذیب انتشار اور پراگندگی کا شکار ہو چکی ہے۔ اس گمشدہ روحانیت کی تلاش میں مغربی اقوام کے بے چین اور ناآسودہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں "ہپی ازم" اختیار کر کے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔ گو انھوں نے اس گمشدہ سکون کی تلاش میں اپنے آپ کو منشیات کے زہریلے دھوئیں میں گم کر دیا ہے لیکن دنیا کو ایڈز جیسی مہلک اور جان لیوا بیماری کا تحفہ بھی

تقسیم کرتے پھر رہے ہیں۔

جہاں تک ۲۰ ویں صدی کے آخری عشرے کے سب سے بھیانک عفریت یعنی "ایڈز" کا تعلق ہے اس سے بچاؤ "کنڈوم" کلچر کے فروغ سے قطعاً نہیں ہو سکتا۔ یہ مغرب کی محض خام خیالی ہے۔ اس کنڈوم کلچر ہی نے تو انسانیت کو اس مقام پر لاکھڑا کیا ہے کہ نئی صدی کے دروازے پر ہم اس حالت میں کھڑے ہیں کہ اپنی تمام تر سائنسی اور مادی ترقی کے باوجود ابھی تک دنیا بھر کے طبی ماہرین اس ایڈز نامی عفریت کا کوئی علاج دریافت نہیں کر پائے ہیں اور تمام تر مصنوعی اقدامات کے باوجود ایڈز کا مرض دنیا بھر کے طول و عرض میں مزید پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے۔

یہاں ایک اور بات قابل ذکر ہے کہ بیجنگ کانفرنس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ ایشیائی ممالک میں ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام کو برتھ کنٹرول کے موثر طریقوں اور خاندانی منصوبہ بندی کے فائدوں سے آگاہی فراہم کرنے کی غرض سے وسیع پیمانے پر تشہیری مہم چلائی جائے۔ نیز "جنسیات" (sex education) سے متعلق اسباق کو اسکولوں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ آج ہمارے ٹی وی پر جو صبح و شام "چابی والی گولیوں"، "سبز ستارہ کے ٹیکوں" اور "کنڈوم" کے نازیبا اور بے ہودہ اشتہارات کی بھرمار ہے، یہ بیجنگ اور قاہرہ کانفرنسوں کے انھی فیصلوں کا بھرپور نفاذ ہے۔ مغربی ممالک اور بین الاقوامی اداروں کی امداد سے چلنے والی "این جی اوز" ان ممالک اور اداروں کے متعین مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے پاکستان میں "سماجی ترقی اور بہبود" کی آڑ میں جس طرح اپنے دیے گئے اہداف کو پورا کر رہی ہیں، ملتان میں بچوں کے ذریعے کیا جانے والا مذکورہ مظاہرہ اس کی ایک بڑی واضح مثال ہے۔ "کنڈوم"، "چابی والی گولیاں" اور "سبز ستارہ کے ٹیکے"، ان تمام اشیا اور اصطلاحات کو الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے اتنا عام کیا جا رہا ہے کہ ملک کا بچہ بچہ ان سے اچھی طرح آگاہ اور مانوس ہو جائے اور بالآخر جب ایسا وقت خدانخواستہ آجائے کہ جیسا ماحول، اخلاقیات، روایات اور تہذیبی اقدار مغرب کے ہاں اس وقت پائی جاتی ہیں ویسی ہی ہمارے ہاں بھی پائی جانے لگیں تو یہی وقت ان این جی اوز اور ان کے سرپرستوں کی کامیابی کا ہو گا۔

ان تمام بھیانک نتائج اور برسرزمین موجود ٹھوس اور تلخ حقیقتوں کے باوجود مغرب کی ملمع شدہ اور گلی سڑی تہذیب اور اس کی اقدار کو اقوام متحدہ، اس کے ذیلی سماجی اور رفاہی اداروں اور مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں کے ذریعے تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں رائج کرنے کی سازشیں کی جا رہی ہیں۔ ان سازشوں کی راہ روکنے کے لیے مسلم ممالک کے دانش ور، اسلامی تحریکیں اور جماعتیں، مسلم این جی اوز کیا ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرتے ہیں؟ اسی میں دراصل مسلم معاشروں کے تحفظ، مشرقی و اسلامی تہذیب و روایات اور اقدار کی سلامتی، اور ہمارے رہے سہے سکون کی بقا کا دارومدار ہے۔